بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصریحات

مالک گروہر

۲۳ مارچ کو راولپنڈی میں جو کچھ ہوا اور خونِ مسلم کی جس طرح بے آبروئی کی گئی اس پر پاکستان کا ہر ذی شعور شہری اپنے دکھ درد کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، وفاقی دارالحکومت میں دن دہاڑے اور کھلے بندوں چند لمحے نہیں بلکہ کئی گھنٹے تک پستولوں رائفلوں اور سٹین گنوں سے فائرنگ ہوتی رہی اور مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں بغیر کسی بڑی وجہ اور بڑے اختلاف کے زخمی اور ہلاک ہوتا رہا اور امن وامان کی بحالی کے ذمہ دار لمبی تانے سوئے رہے۔

جب سے موجودہ حکمران برسرِ اقتدار آئے ہیں ملک میں اس قسم کی قتل و غارتگری ایک معمول بن کر رہ گئی ہے اور کئی معصوم اور بے گناہ اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور نہ جانے اور کتنے ایسی بربریت اور دہشت گردی کا شکار ہو جائیں گے۔

کسی بھی ملک اور حکومت کے چہرے پر اس سے زیادہ بدنما داغ اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ اقتدار اور اختلاف کی آویزش میں خونِ ناحق کی آمیزش ہو جائے اور باہمی جھگڑوں کو تلوار کی دھار اور بندوق کی گفتار سے حل کیا جائے۔

دنیا کے ہر جمہوری ملک میں اپوزیشن کا وجود ناگزیر اور ضروری خیال کیا جاتا ہے اور تب تک جمہوریت کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ حزبِ اقتدار کے مقابلہ میں مؤثر حزبِ اختلاف موجود نہ ہو کہ اس کی تنقید اور مخالفت ہی سے جمہوریت کا شجرِ ثمر آور ہوتا اور اس کی عمارت استوار ہوتی ہے، لیکن ایک ہمارا ملک ہے کہ اس میں جمہوریت کی ریت ہی نرالی ہے کہ اس کے یومِ تاسیس سے لے کر اب

تک جتنے لوگ بھی اس کے راج سنگھاسن پر براجے ہیں سب نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے اپنے ناقدین اور مخالفین کی آواز کے دبانے بلکہ ختم کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی حالانکہ یہی "حکام والا تبار" جب خود اختلاف میں تھے تو سب سے زیادہ اسی استبداد کے شاکی اور آزادی و حریت کے علمبردار تھے اور موجودہ طبقہ نے تو پرانی تمام حدوں کو ہی توڑ ڈالا ہے کہ [redacted] اپنی سیاست کا بنیادی نعرہ بناکر کامیابی سے ہم کنار ہونے کے بعد اس [redacted] کو ڈبو دینے کی فکر میں ہیں کہ جس کے ذریعے خود ساحل مراد پر پہنچے تھے۔ [redacted] کا نظریہ ہو کہ یہی ایک کشتی ہے جو منجدھاروں سے نکالنے اور تلاطم خیزیوں سے بچانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے اس کشتی کو ہی باقی نہ رہنے دیا جائے [redacted] اور بھی اس کے ذریعہ کنارے پر لگ سکے۔

وگرنہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسی جماعت جس نے اپنے آرگن "مساوات" کی ہفت روزہ بندش پر اس قدر کہرام بپا کیا ہو گویا ملک میں اس سے زیادہ اہم مسئلہ ہی کوئی نہیں رہا۔ وہی جماعت برسر اقتدار آنے کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے کے ایک اخبار کو نہیں بلکہ متعدد جرائد و رسائل کو اس تیزی اور بے رحمی سے سولی چڑھائے اور مقتل لے جائے کہ وارثین ان کی نعشوں کو بھی نہ دیکھ پائیں اور اگر کوئی عدالت نعش کی وارثوں کو واپسی کا حکم صادر بھی کر دے تو اسے راستے ہی میں سے دوبارہ اچک لیا جائے، کسی کو جمہوریت کے نام پر اس نسلائیت کا کب تصور ہو سکتا تھا؟

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خانی دور میں اپنی گرفتاری کے بعد عدالت میں جو بیان داخل کیا تھا اس کا سرنامہ یہ تھا کہ:-

"حکومت سے اختلاف ہمارا قانونی حق ہے اور اس حق سے کنارہ کشی کسی صورت ممکن نہیں اور نہ ہی حکومت ہمیں اس سے دستبردار ہونے پر مجبور کر سکتی ہے"

لیکن تعجب ہے کہ وہی بھٹو صاحب جو اختلاف میں رہتے ہوئے اسے قانونی حق

قرار دیتے تھے منصب ریاست و صدارت پر فائز ہونے کے بعد اس کے جواز کے بھی روادار نہیں ہیں۔ ہو گر نہ کون سا قصور ہے جس کی پاداشں میں ہم پر پانچ پانچ مقدمات بنائے گئے، جیلوں میں گھسیٹا گیا، پولیس کے تشدد کی چکی میں پیسے گئے، داڑھیاں نوچی گئیں، اخبارات ضبط کیے گئے، کاغذ کے کوٹے بند اور سرکاری اشتہارات سے محروم رکھا گیا اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ سابقہ حکومتوں کے مختلف گروہوں نے مل کر جو کچھ پچیس برسوں میں سیاسی کارکنوں اور اپنے خلاف رائے رکھنے والوں پر مظالم کیے اور مصائب ڈھائے "جمہوریت" کے ان متوالوں نے صرف سوا سال کے عرصہ میں ان سے زیادہ ظلم و عدوان کے مظاہرے کیے ہیں۔ یہ فخر صرف اس حکومت کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں علماء، وکلاء، سیاستدان، طلبہ، صحافی، ادیب اور خطیب ہر طبقہ کے لوگ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار اور عدالت گردی کی مصیبتوں کا شکار بنے ہیں وگرنہ اس سے پیشتر کبھی اس طرح کی انبوہ مرگی کے جشن کا سامان نہ ہوا تھا۔

آج پاکستان میں جمہوریت اور آزادی اظہار کا یہ عالم ہے کہ کراچی سے خیبر تک کوئی ایک شہر اور قصبہ ایسا نہیں جہاں دفعہ ۱۴۴ نے ڈیرے نہ ڈال رکھے ہوں، ریڈیو ویسے احزابِ مخالفہ کے لیے شجرِ ممنوعہ اور ٹیلیویژن دسترس سے باہر ہے۔ اخبارات کچھ حکومت کی ملکیت ہیں کہ ان میں کوئی خارج از حکومت بار نہیں پا سکتا اور کچھ اس طرح نیوز پرنٹ کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں کہ کوئی مخالف ان میں سما ہی نہیں سکتا اور کچھ مرکھپ گئے ہیں اور کچھ کی صلیبیں ان کے کندھوں پہ رکھوا دی گئی ہیں کہ وہ ان کے بوجھ ہی تلے پسے جا رہے ہیں، دوسرے کسی کو کیسے لادیں، ایسے عالم میں کوئی اپنے "قانونی حق" کا استعمال کرے تو کیسے کرے؟ اور لوگوں تک اپنے خیالات پہنچائے تو کیسے پہنچائے؟ اور ستم بالائے ستم کہ راگ پھر بھی جمہوریت، آزادی، مساوات اور حریت کے گائے جائیں — اگر جمہوریت اسی کا نام ہے تو پھر نہ جانے استبداد اور آمریت کسے کہتے ہیں۔ اور

پھر صدرِ محترم اپنی پشت کے نشان کس مقصد سے جگہ جگہ دکھلاتے اور دورِ ایوبی کو دشنام دیتے پھرتے ہیں کہ ایوب کے دور میں بھی اس طرح مخالفوں پر گولیاں برسائی گئی تھیں جس طرح راولپنڈی میں اور اس سے پیشتر تحریکِ استقلال کے جلوس پر ملتان میں برسائی گئی تھیں۔ اور نہ ہی کسی نذیر شہید اور رفیق شہید کو اس بے دردی کا نشانہ بنایا گیا جس کا نشانہ اس دور میں بنایا گیا۔

آخر میں ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اپنی اس روش کو تبدیل کرنا چاہیئے کہ اس سے نہ صرف اندرون ملک حکومت اور حکمرانوں کی رسوائی ہوتی ہے بلکہ ملک سے باہر کی جمہوری قوتیں بھی ایسے اعمال و افعال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتیں اور ایسے ممالک سے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتیں جس کے نتیجہ میں ملک و ملت دونوں اقوامِ عالم کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔

حال ہی میں لیبیا کے دارالسلطنت بن غازی میں مسلم ممالک کے وزراء خارجہ کی چوتھی کانفرنس اختتام پذیر ہوئی ہے اس کانفرنس کی جو روداد مختلف ملکی اور غیر ملکی جرائد میں شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان نے اس سال بھی اس کانفرنس میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کیا اور نہ ہی اپنے مسائل کے ابھار اور ان کے حل کی طرف برادر مسلم ممالک کی توجہات کو مبذول اور ان کی ہمدردی کے حصول کی کوشش کی ہے جبکہ چند دوسرے ممالک نے پاکستان کے مصائب اور مشکلات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور ان سے عہدہ برآ ہونے میں اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔

اس سلسلہ میں پاکستان کی بے توجہگی اور عدمِ دلچسپی کا اظہار تو پاکستان کے اس وفد کی ماہیت ہی سے ہو جاتا ہے جسے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ترتیب دیا گیا تھا اور پھر وسائلِ ابلاغ اور ذرائع نشر و اشاعت کی طرف سے اتنے اہم اجتماع کے بارے میں اعراض و اغماض کی پالیسی حکومت کے موقف کی واضح طور پر نشاندہی کر رہی تھی۔ حالانکہ ایسے اجتماعات پاکستان کے حالاتِ موجودہ